معتزلہ

از

(جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی لندن بیرسٹرایٹ لاحیدرآباد دکن)

(۴)

۱۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ مخلوق کا پیدا کرنا خدا پر واجب ہے

واجب کس معنی کے لحاظ سے؟ کیا خدا کو مخلوق کے نہ پیدا کرنے سے دنیا یا آخرت میں کوئی ضرر لاحق ہوتا ہے؟ ہاں اگر واجب کے یہ معنی ہیں کہ خدا کے علم میں ازل سے خلق کا پیدا کرنا تھا یا تخلیق مقدر تھی تو اب خدا کے لئے اس کا پیدا کرنا واجب قرار دیا جائے گا ورنہ خلافِ علم حق ہوگا جو جہل ہوگا! واجب کے اگر کوئی اور معنی ہیں تو بتلائے جائیں!

۲۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ نہ صرف انسان کو پیدا کرنا بلکہ اس کو مکلف بالاعمال کرنا بھی واجب ہے یعنی عقل و اختیار سے متصف کرنا، ہدایت کے لئے وحی کا بھیجنا بھی واجب ہے

اس پر بھی وہی سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا اوپر ذکر ہوا۔ ایسے نہ کرنے میں خدا کا کوئی ضرر ثابت نہیں کیا جا سکتا اگر معتزلہ کی جانب سے کہا جائے کہ خدا پر اس لئے واجب ہے کہ اس میں مخلوق کا فائدہ ہے نہ یہ کہ خدا کا کوئی نفع تو ہم مانتے ہیں کہ مخلوق کو اس کے پیدا ہونے میں کچھ فائدہ ضرور ہے مگر جب خدا کو مخلوق کے فائدے سے کوئی فائدہ نہیں تو اس پر مخلوق کو پیدا کرنا اور مکلف بنانا کس طرح واجب قرار دیا جا سکتا ہے؟

ذرا غور کرو کہ مخلوق کو مکلف بالاعمال ہونے میں آخر فائدہ کیا ہے؟ فائدہ تو اس صورت میں تھا جب جنت میں انسان پیدا کیا جاتا، وہاں نہ بیماری ہوتی نہ افلاس ہوتا نہ درد وغم ہوتا نہ حزن والم! دنیا میں تو عقلاء موت کو زندگی پر ترجیح دیتے آتے ہیں انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کے حالات

پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کہتا تھا کہ کاش میں پیدا ہی نہ ہوتا، کوئی کہتا کہ میں پرندہ ہوتا جم کو دوزخ کا ڈر نہ ہوتا! غرض جس کو دیکھا موت کی تمنائیں اپنے اندر لئے ہوئے نظر آیا!

ہست دریں بادیۂ دیو لاخ ‌‌ ‌ ‌ خانۂ دل تنگ دغم دل فراخ

ہر کہ دریں بادیہ باطبع ساخت ‌ ‌ ‌ چوں جگر افسردہ چو زہرہ شگافت

ہر کہ دریں خانہ کند خواب گاہ ‌ ‌ ‌ با سرش از دست رود یا کلاہ

ہمیں ان لوگوں پر بڑا تعجب ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ مکلف ہونے میں مخلوق کا فائدہ ہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ مکلف ہونا ہی تمام غم وحزن اور تکالیف کا سرچشمہ ہے!

اگر کہا جائے کہ پیدا ہونے اور مکلف کئے جانے میں مخلوق کو فائدہ یہ ہے کہ جنت کے مراتبِ عالیہ پر وہ فائز ہوگا اور ابدی سرور کا حق دار قرار پائے گا تو فلسفی کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ خدا بغیر عبادت کے بھی یہ مراتب عطا کر سکتا ہے! اگر یہ کہا جائے کہ بے شک بغیر عبادت کے بھی وہ مراتبِ بلند عطا فرما سکتا ہے مگر عبادت کرنے سے ایک قسم کا استحقاق پیدا ہو جاتا ہے اور جو چیز بطور استحقاق حاصل ہو وہ زیادہ قابل قدر اور لذیذ ہوتی ہے تو جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ عبادت سے کسی قسم کا استحقاق ثابت نہیں ہوتا! ذرا غور تو کرو کیا عبادت بغیر صحت، سلامتی اعضاء، قدرت، ارادے وغیرہ کے ممکن بھی ہے؟ یہ اسباب سب کے سب حق تعالیٰ ہی کے عطا کردہ ہیں! جب عبادت کے سارے اسباب اس ہی کا محض عطیہ ہیں تو ان کے استعمال سے کون سا استحقاق پیدا ہو سکتا ہے! اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہے کہ دو شخص ایک کھیت کی پیداوار پر تکرار کریں اور ایک شخص ان میں سے اقرار کرے کہ یہ کھیت بھی تیرا ہے، بیج بھی تو نے ڈالے، جوتنے کے لئے بیل بھی تیرے ہی ہیں جو کچھ اس پر صرف ہوا وہ بھی تیرا ہی تھا مگر باایں ہمہ پیداوار میری ہے اور اس پر میرا ہی حق ثابت ہوتا ہے: ع

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

۳۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ خدا پر واجب ہے کہ بندوں کے حق میں جو چیز زیادہ مناسب یا اصلح

ہو اس کی رعایت رکھے۔

اس دعوی کے بطلان کے لئے اول تو وہی کافی ہے جو اوپر ثابت کیا گیا کہ خدا پر کوئی چیز واجب نہیں!

دوسرے مشاہدہ اور تجربہ بھی اس کے بطلان پر شاہد ہے۔ امام ابوالحسن اشعری نے جبائی کے مقابلہ میں جو مثال پیش کی ہے اس سے اس مذہب کی بالکل تردید ہو جاتی ہے فرض کرو کہ تین لڑکے ہیں جن میں سے ایک صغر سنی میں بحالت اسلام مر گیا، دوسرا سن بلوغ کو پہنچا، مسلمان ہو کر بڑی بڑی نیکیاں کیں اور مر گیا۔ تیسرا سن بلوغ کو پہنچا مگر کفر کی حالت میں مرا۔ اب معتزلہ کے نزدیک اول الذکر جنتی ہے، دوسرا بھی جنتی ہے لیکن پہلے کی بہ نسبت اعلیٰ مراتب کا مستحق ہے اور موخر الذکر ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ اب فرض کرو کہ پہلے لڑکے نے خدا کو مخاطب کر کے پکارا اے خدا تجھ کو میرے دوسرے بھائی سے کم مراتب کیوں ملے؟ کیا میں مسلمان نہ تھا؟ تو خدا جواب دے گا کہ تیرے دوسرے بھائی نے سن بلوغ کو پہنچ کر بڑی بڑی نیکیاں کیں اور یہ مراتب بلند ان کی جزا ہے۔ وہ کہے گا کہ اے خدا اگر میں بھی زندہ رہتا اور جوان ہوتا تو اس سے زیادہ نیکیاں کرتا! مجھے قبل از وقت مانگ کر میری حق تلفی کیوں کی گئی؟ خدا اس کے جواب میں کہے گا کہ تجھے اس لئے مارا کہ اگر تو جوان ہوتا تو کافر ہو کر مرتا اور ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہتا اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ تجھے لڑکپن ہی میں موت آئے تاکہ تجھے کم از کم بہشت میں رہنے کا تو استحقاق حاصل ہو جائے یہ وہ عذر ہے جو معتزلہ خدا کی جانب سے پیش کرتے ہیں! اب ان پر یہ اعتراض ہوتا ہے جس کا جواب ان سے قیامت تک بھی بن نہیں پڑتا کہ تیسرا بھائی اور دوزخ کے طبقات سے سارے کافر چیخ اٹھیں گے کہ خدایا یہ تجھے معلوم ہی تھا کہ ہم بڑے ہو کر شرک کریں گے تو تو نے ہمیں لڑکپن ہی میں کیوں نہ موت دی ہم تو اس مسلمان لڑکے کے درجے سے کم پر بھی راضی تھے؟ اب معتزلی بتائیں اس کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے؟ اسی لئے یہ یقین کرنا واجب ہے کہ خداوند کریم کے معاملات اول کی جہت سے ایسے نہیں کہ معتزلہ کی میزان میں ان کی گنجائش نکل آئے[1]! یہاں عقل سے

---

[1] دیکھو مذاق العارفین ص ۱۲۷ اور الاقتصاد (اردو ترجمہ) صفحہ ۱۰۵ وغیرہ

زیادہ ایمان سے کام لینے کی ضرورت ہے اور ایمان کا محل قلب ہے نہ کہ عقل۔

دل مسکنِ عشق است نہ ماوائے عقول | چوں خانۂ عقل ساختی گشت ملول
تحقیق بداں کہ زود ویراں گردد | ہر خانہ کہ غیر صاحبش کرد نزول

(سحابی استرآبادی)

معمریہ

یہ معمر ابن عباد سلمیٰ کے پیرو ہیں۔ اس کی زندگی کا زمانہ ٹھیک طور پر معین نہیں ہو سکتا بعض کے نزدیک یہ سنہ ۲۲۸ھ میں مرا ہے۔

معمر کے خیالات زیادہ تر وہی ہیں جو اوپر دوسرے معتزلہ کے بیان ہوتے البتہ صفات الٰہی کے انکار میں اس کو بہت زیادہ غلو ہے، قدر کے نظریہ میں بھی اس کو غلو تھا۔ بعض مسائل میں منفرد ہوا ہے اس کے اہم خیالات کا خلاصہ یہ ہے :۔

۱۔ نفی علم الٰہی :۔ معمر خدا کی ذات کو کثرت کے ہر اعتبار سے منزہ ثابت کرتا ہے۔ اس کی رائے میں صفات کے ثابت کرنے سے خدا کی ذات میں تکثر پیدا ہو جاتا ہے اس لئے وہ تمام صفات کی نفی کرتا ہے اور اس میں اس قدر مبالغہ کرتا ہے کہ خدا نہ خود اپنے کو جانتا ہے اور نہ کسی کو کیونکہ جاننا (یا علم) خدا کے اندر کی کوئی چیز ہوگی یا باہر کی کوئی چیز پہلی صورت میں عالم و معلوم کا ایک ہونا لازم آتا ہے جو محال ہے کیونکہ معمر کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ معلوم عالم سے جدا اور اس کا غیر ہو اب اگر علم خدا کے اندر کی کوئی چیز نہیں ہے اور معلوم عالم سے جدا ہے تو خدا کی ذات میں ثنویت یا دوئی لازم آتی ہے۔ نیز خدا کے علم کا غیر پر موقوف اور اس کا محتاج ہونا لازم آتا ہے اور اس کی مطالقت بالکل باطل ہو جاتی ہے۔

معمر کے زمانہ میں فلسفہ کا چرچا زیادہ ہو گیا تھا اور نوافلاطونیت کے اثرات کافی پھیل چکے تھے، صفات کی نفی کرنے میں معمر فلاطینوس کی پیروی کر رہا ہے۔ فلاطینوس کے نزدیک خدا کی ذات

واحد و مطلق ہے اور ایسی وراء الوراء ہستی ہے کہ جو کچھ بھی انسان اس کے متعلق کہتا ہے وہ اس کی تحدید کا باعث ہوتا ہے اس لئے ہم خدا کو نہ فکر وارادہ سے متصف کر سکتے ہیں نہ حسن و خیر سے کیوں کہ یہ ساری صفات تحدیدات ہیں اور ہر تحدید نقص! ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کیا ہے صرف یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ کیا نہیں

آں احد نے کہ عقل داند و فہم — اں صمد نے کہ حس داند و وہم
احد است و شمار ازو معزول — صمد است و نیاز ازو معزول

انسانی عقل و فہم، حس و وہم کا خدا کی ذات یا اس کی صفات کی حقیقت یا کنہ سے واقف نہ ہونا اسلام میں بھی مسلمہ ہے، عطار کہتے ہیں:-

در ذات خدا فکر فراواں چہ کنی — جاں را ز قصورِ خویش حیراں چہ کنی
چوں تو نہ رسی بہ کنہ یک ذرہ تمام — در کنہ خدا دعوئ عرفاں چہ کنی!

ذات یا کنہ الٰہی میں فکر کرنا، فکر حرام، قرار دیا گیا ہے "کل الناس فی ذات اللّٰہ حمقاء" حضور صلعم نے اسی لئے فرمایا کہ لا تفکروا فی اللّٰہ فتھلکوا! اور انسانی جہل کو ما عرفناک حق معرفتک کے بلیغ جملہ سے ظاہر فرمایا تھا! حافظ نے اسی مفہوم کو اپنی زبان میں اس طرح ادا کیا ہے:

عنقا (ذات الٰہی ۱۲) شکار کس نہ شود دام باز چیں — کاں جا ہمیشہ (علم انسانی ۱۲) باد بدست است دام را

لیکن اس سے معمر یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ خدا کا وجود نہیں پایا جا سکتا یا اس کی صفات نہیں پائی جاتیں کیا خدا کو عالم ماننے سے اس کی ذات میں کثرت لازم آتی ہے اور اس کا علم غیر پر موقوف ہو جاتا ہے اور اس طرح خدا محتاج ثابت ہوتا ہے؟ خدا کے معلومات جن کا وہ عالم ہے یا جن کا وہ علم رکھتا ہے یا جن کی وجہ سے وہ عالم کہلاتا ہے خود اس کے تصورات ہیں یا اس کے علم کی صورتیں ہیں جو ذات پر عارض ہیں! ان کے علم سے احتیاج کیسے لازم آئے گی فافہم و تدبر!

نفی ارادہ الٰہی | معمر کہتا ہے کہ علم کی طرح خدا کی ذات کو ارادہ سے بھی متصف نہیں کیا جا سکتا اور نہ

اس کے ارادہ کو 'قدیم' قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ قدامت سے زمانی تقدم و تاخر ظاہر ہوتا ہے اور خدا زماں سے ماوراء ہے۔

خدا کے ارادے کو قدیم کہنے سے ہمارا مطلب صرف یہ ہے کہ جب سے خدا کی ذات ہے وہ ارادہ سے موصوف ہے۔ خدا زماں سے ماورا ہے، زمانہ خدا میں ہے، خدا زمانہ میں نہیں، زمانہ خدا کی تخلیق ہے صفات خدا کی ذات کے اعتبارات ہیں اور ازلی ہیں۔

خدا صرف خالق اجسام ہے خالق اعراض نہیں

(۳) معمر کے نزدیک خدا خالق عالم ہے لیکن اس نے سوائے اجسام کے کچھ نہیں پیدا کیا۔ رہے اعراض تو وہ اجسام کے اختراعات ہیں۔ اعراض متولد ہیں یا تو (۱) بالطبع، جیسے آگ سے احراق، سورج سے حرارت یا (۲) بالاختیار جیسے حیوان یا انسان ۔ سے ان کے افعال و حرکات ۔ غرض خدا مادہ کو پیدا کر کے الگ ہو جاتا ہے، اس کے بعد مادہ سے جو تغیرات پیدا ہوتے ہیں خواہ طبعی ہوں یا ارادی ان میں خدا کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ خدا اجسام کا خالق ہے اعراض کا خالق نہیں بلکہ یہ سب طبائع اجسام سے پیدا ہوتے ہیں، طبائع اجسام ان آثار کے مقتضی ہیں

ؔ علامہ شہرستانی نے معمر کے اس قول پر یہ تنقید کی ہے "تعجب کی بات ہے کہ معمر کے نزدیک جسم کا حدوث و فنا بھی عرض ہے پھر وہ کیسے کہتا ہے کہ وہ خود اجسام کے افعال میں سے ہے؟ گو باری تعالیٰ نے اعراض پیدا نہیں کئے تو اس نے جسم کے حدوث و فنا کو بھی پیدا نہیں کیا کیونکہ یہ خود عرض ہیں لہذا صاف طور پر لازم آتا ہے کہ اصلا کوئی فعل اللہ تعالیٰ کا نہیں پھر کلام باری تعالیٰ کے متعلق اسے کہنا پڑے گا کہ یا تو وہ عرض ہے یا جسم۔ اگر وہ کہے کہ یہ عرض ہے تو ماننا پڑے گا کہ باری تعالیٰ نے اسے پیدا کیا کیونکہ متکلم دراصل وہی ہوتا ہے جس سے فعل کلام کا صدور ہو، یا پھر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی کلام ہی نہیں ہے جو عرض ہو پھر اگر وہ کہے کہ کلام باری جسم ہے تو وہ اپنے اس قول کو باطل کرے گا کہ " اللہ تعالیٰ نے کلام ایک محل میں پیدا کیا ہے" کیونکہ جسم جسم کے ساتھ قائم نہیں ہوتا پس جب وہ نہ صفات ازلیہ کا قائل ہے اور نہ خدا کے خالق اعراض ہونے کا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے مذہب کی رو سے خدا کا کوئی کلام ہی نہیں ہے اور جب اس کا کوئی کلام نہیں تو وہ آمر و ناہی بھی نہیں ہوگا اور جب امر و نہی نہیں ہے تو اصلا کوئی شریعت بھی نہیں ہے اس طرح اس کا مذہب سوائے "خزی عظیم" کے کچھ نہیں! (صفحہ ۲۹)

معمر کا یہ خیال قرآن کے اس عقیدہ کی نفی ہے "واللہ خالق کل شی" نیز ذٰلکم اللہ ربکم خالق کل شی لا الٰہ الا ھو! غیر اللہ کو خالق قرار دینا نہ فلسفیانہ بصیرت کے مطابق ہے اور نہ عقل شرعی اس کی توثیق کرتی ہے اس پر تفصیلی بحث جبر و قدر کے نظریہ میں کی جائے گی۔

(۴) معمر انسان کو اس جسم محسوس کے علاوہ کوئی اور شے قرار دیتا ہے۔ انسان حی، عالم، قادر مختار ہے اس کا دعویٰ ہے کہ انسان وہ نہیں جو متحرک یا ساکن ہے طویل یا عریض ہے متلون ہے، دیکھتا ہے، چھوتا ہے بدن میں حلول کرتا ہے یا کسی خاص جگہ میں ہے! وہ کسی خاص جگہ میں اس لئے نہیں ہو سکتا کہ وہ نہ طول رکھتا ہے نہ عرض نہ عمق اور نہ وزن! بلکہ وہ اس جسد کے سوا اور شی ہے اس نے انسان کو ان ہی صفات سے موصوف کیا جن سے خدا متصف ہے یعنی وہ حی، عالم، حکیم، قادر فاعل ہے! جس طرح اللہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہر جگہ ہے یعنی وہ ہر شے کا مدبر ہے، ہر واقعہ کا عالم ہے، لیکن اس کے اندر داخل نہیں اسی طرح انسان جسم کا مدبر ہے گو اس کے اندر مقید نہیں بہر حال وہ انسان کی توصیف اسی طرح کرتا ہے جس طرح خدا کی اور اس کا مطلب یہ نظر آتا ہے کہ گویا انسان کو معبود قرار دے لیکن وہ اس عقیدہ کا صاف طور پر اظہار نہیں کرنا چاہتا اس لئے صرف اشارات سے کام لیتا ہے جن سے یہ مفہوم صاف طور پر اخذ کیا جا سکے[1]!

یہاں بھی ہمیں معمر پر فلاطینوس کے اثرات صاف طور پر نظر آتے ہیں انسان اپنی حقیقت کے لحاظ سے حق سے جدا نہیں، حق ہی کا ظہور ہے، تجلی ہے مظہر ہے وحدت الوجود کے نظریہ میں اس خیال کے تفصیلات کی تلاش کرنی چاہئے اس خصوص میں معمر کے خیالات و عقائد کے متعلق ہمیں تفصیلی مواد حاصل نہیں[2] لہذا اس پر تنقید بھی نہیں کی جا سکتی۔ لیکن اتنی بات واضح ہے کہ ذات خلق اور ذات حق، شے اور وجود، عبد و رب، میں تمیز قایم کرنی ضروری ہے جس نے یہ

---

[1] دیکھو البغدادی الفرق بین الفرق صفحہ ۱۴۱ انگریزی ترجمہ صفحہ ۱۶۱ [2] تفصیل کے لئے دیکھو مصنف کی کتاب قرآن اور تصوف باب ۴

تمیز قایم نہیں کی وہ بدتمیز ہے، ملحد ہے، زندیق ہے، عاقل نہیں غافل ہے۔ شئے اپنی ذاتی جہت کے اعتبار سے قطعاً غیر اللہ ہے، اللہ نہیں!

العبد عبد و ان ترقی   والرب رب و ان تنزل

(شیخ محی الدین عربی)

ثمامہ

یہ بیرو ہیں ثمامہ بن اشرس نمیری کے۔ اس کا زمانہ خلیفہ مامون، خلیفہ المعتصم اور خلیفہ الواثق کا ہے یہ قدریہ کا اس زمانہ میں لیڈر تھا۔ ہارون رشید نے اس کے زندقہ کی وجہ سے اس کو قید بھی کیا تھا لیکن مامون کی اس پر نظر عنایت تھی اس کی موت سنہ ۲۱۳ھ میں ہوئی۔

ثمامہ مشہور زندیق ہے۔ وہ فاسق معلن تھا؛ شراب کا عادی اور بے شرم[1]! کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک بار مسلمانوں کو جمعہ کی نماز میں شرکت کے لئے عجلت میں جاتے ہوئے دیکھ کر کہا کہ "ان گدھوں اور بیلوں کو دیکھو! اس عرب نے انسانوں کو کیا بنا دیا ہے:" عرب سے اس بے شرم کی مراد پیغمبر اسلام سے تھی[2]۔

ثمامہ نے خلیفہ واثق سے کہا کہ احمد بن نصر مروزی ان لوگوں کو کافر قرار دیتے ہیں جو رویت باری کا انکار کرتے ہیں قرآن کو مخلوق مانتے ہیں اور قدریہ کی بدعت کو تسلیم نہیں کرتے۔ واثق نے انھیں قتل کر دیا لیکن فوراً اس کو اپنی غلطی کا علم ہوا اور اس نے ثمامہ ابن ابی داؤد اور ابن زیات کو اس جرم کے ارتکاب کا باعث قرار دیا اور ملامت کی کیونکہ ان ہی کے کہنے پر اس نے احمد کے قتل کا حکم دیا تھا۔ ابن زیات نے کہا: "اگر ان کے قتل سے اچھے نتائج برآمد نہ ہوں تو خدا مجھے آگ اور پانی کے درمیان مارے" ابن ابی داؤد نے کہا: "اگر ان کی موت جائز نہ تھی تو خدا مجھے میری ہی جلد کے اندر محبوس کر کے مارے"، ثمامہ نے کہا "اگر آپ اس کے قتل میں حق بجانب نہ ہوں تو خدا مجھے تلوار کا لقمہ کرے"، خدا نے ان کی دعا قبول فرمائی تھوڑے ہی دن بعد ابن زیات حمام میں مارا گیا اور اپنے

---

[1] شہرستانی کہتے ہیں کہ ثمامہ "کان جامعا بین سخافۃ الدین وخلاعۃ النفس" (صفحہ ۳۱) [2] البغدادی صفحہ ۱۵۸ - ۱۶۰

سمیت آگ میں گھر گیا اس طرح آگ اور پانی کے درمیان مرا ابن ابی داؤد کا حشر یہ ہوا کہ خلیفہ المتوکل نے اس کو قید کر دیا، قید خانہ ہی میں اس پر فالج کا حملہ ہوا اور اس طرح وہ اپنی جلد میں محبوس رہا یہاں تک کہ موت نے ظالم کو آدبوچا! ثمامہ مکہ گیا ہوا تھا، وہاں صفا اور مروہ کے درمیان اس کو بنی خزاعہ کے بعض آدمیوں نے دیکھا اور پکارا کہ "اے بنی خزاعہ یہ وہی شخص ہے جو تمہارے سردار کی موت کا باعث بنا" یہ سن کر بنی خزاعہ جمع ہو گئے اور اس کو تلوار کا لقمہ بنا دیا[1] ! فذاقت وبال امرها وکان عاقبة امرها خسرا ! (س ۶۵ ع ۱)

اے ظالم از دعائے بدامین مشو کہ شب — گریاں دعا کنند کہ خوں از دعا چکد!

اس شخص کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے:-

کیا خدا کی معرفت عقل کے ذریعہ واجب ہے

ثمامہ کہتا ہے کہ خدا کی معرفت عقل کے ذریعہ واجب ہے، اگر شرع نہ ہوتی یعنی پیغمبروں کے ذریعہ ہمیں خدا کی معرفت حاصل نہ ہوتی تو بھی خدا کا پہچاننا ہم پر واجب تھا۔

عام معتزلہ کا بھی یہ مسلک ہے کہ حسن و قبح عقلی ہیں اسی لئے خدا کی معرفت قبل ورود شرع واجب ہے اور اس کی نعمتوں کا شکر بھی واجب ہے۔ ان کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ اگر خدا کا عرفان محض عقل کے ذریعہ واجب ہوتا تو دو حالتوں سے خالی نہ ہوتا: اس عرفان سے کسی کا فائدہ مدنظر ہوتا یا بغیر کسی فائدے کے عقل اس عرفان پر مجبور ہوتی تو عقل کا یہ فعل محض عبث ہوتا جو اس کی شان کے خلاف ہے۔ اگر کسی کا فائدہ مدنظر ہوتا ہے تو یہ فائدہ خدا کا ہوگا یا انسان کا۔ خدا کو اس عرفان سے کیا فائدہ وہ تو تمام فائدوں اور غرضوں سے پاک اور منزہ ہے۔ فائدہ صرف انسان ہی کا متصور ہو سکتا ہے۔ اگر فائدہ انسان کا ہے تو یہ یا تو دنیا میں ہوگا یا آخرت میں دنیا میں خدا کے عرفان اور اس کی عبادت سے اپنی جان کو طرح طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں میں ڈالنے[2] کے سوا

[1] البغدادی صفحہ ۱۵۰ - ۱۶۰۔ [2] کیونکہ اطاعت میں قطعاً محنت اور اپنی محبوب خواہشوں سے رک رہنا پڑتا ہے جو نفس پر شاق گزرتا ہے۔ الدنیا یوم ولنا فیہ صوم

کوئی فائدہ نظر نہیں آتا! اور اگر یہ فائدہ آخرت میں مانا جائے تو ہم پوچھتے ہیں کہ آپ کو اس کی اطلاع کیسے ہوئی کہ اعمالِ صالحہ سے ضرور بہشت ملے گی اور اس کے لذائذ و نعم بھی ؟ کیونکہ صورت مفروضہ میں نہ کوئی شریعت ہے اور نہ نبی جس کی زبانی ہمیں اس بات کا علم ہوا ہو!

اگر عقل کی طرف سے یہ جواب دیا جائے کہ ہر شخص کا یہ یقین ہوتا ہے کہ میرا پیدا کرنے والا ہے اور اس کے حقوق میرے ذمہ ہیں، اگر میں ان کو ادا کروں گا اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کروں گا تو وہ مجھے مراتبِ عالیہ عطا کرے گا اور اگر ناشکری کروں گا تو عذاب دے گا، غرض کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں نظر آتا کہ اطاعت پر عذاب اور نافرماں برداری اور معصیت پر ثواب ملنے کا احتمال ہے تو پہلا جواب یہ ہے کہ یہ اس عقل کا تو فیصلہ نہیں ہو سکتا جو مادہ ہو اور نفس زاس پر سوار ہو، وہ تو عذاب و ثواب کی گفتگو کو قطعاً ترک کر کے اسی دنیا میں لذت نفس کے حصول اور مضرت و آلام کے دفع کرنے میں لگ جائے گا! کیونکہ اس عقل کا مقصود بالذات دنیا ہے، اس کی آسائش و زیبائش ہے، لذت و آرام ہے یہ لذت کی طالب ہے اور لذت و نفع ہی اس کی اعلیٰ ترین غایت ہے! اس کی عمر کوے کی طرح " سرگین خوری " میں بسر ہوتی ہے!

وائے آں کہ عقل او مادہ بود — نفس زشتش نر و آمادہ بود!
لا جرم مغلوب باشد فعل او — جز سوئے خسراں نباشد نقل او!
اے خنک آنکس کہ عقلش نر بود — نفس زشتش مادہ و مضطر بود!

اب وہ چیز کونسی ہے جو نفس کو اطاعت الٰہی پر مجبور کرتی ہے اور عقل پر یہ بات کھول دیتی ہے کہ اطاعت و شکر گذاری سے خدائے تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور اس کے معاوضہ میں دنیا میں طمانیت اور آخرت میں راحت نصیب ہوتی ہے؟ خصوصاً جب عقل یہ بات صاف طور پر محسوس کرتی ہے کہ اطاعت و عدم اطاعت، شکر و عدم شکر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دونوں مساوی ہیں نہ اُن کو شکر پر خوشی حاصل ہوتی ہے اور نہ عدم شکر پر رنج! یہ تو انسان کا خاصہ ہے کہ وہ اپنی تعریف پر خوش ہوتا ہے اور مذمت یا ہجو سے اس کے دل پر چوٹ لگتی ہے:

آدمی فربہ شود از راہ گوش — جانور فربہ شود از راہ نوش

جب حق تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دونوں مساوی درجہ رکھتے ہیں تو پھر عقلاً عبادت ومعصیت میں سے کسی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینی محال ہوگی اسی لئے تو مادیت کے قائل لذتیت ہی کو حسن وصواب کا معیار قرار دیتے ہیں اور ع خوش باش دمے کہ زندگانی اینست، کے قائل نظر آتے ہیں اور حقیقت میں بعض وجوہ بھی ایسی نظر آتی ہیں جن سے بظاہر عبادت پر عذاب ہونے کا بھی شبہ ہو سکتا ہے ایک وجہ یہ ہے کہ ممکن ہے کہ خدا نے انسان کو پیدا ہی اس غرض کے لئے کیا ہو کہ وہ شہوات نفسانی اور عیش وعشرت میں اپنی زندگی بسر کرے اور جہاں تک ہو سکے ہوائے نفسانی کے اسباب مہیا کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھے اگر اس کی یہ غرض ہو تو خدا کی عبادت میں مشغول ہونا اور نفس کو زہد وریاضت کی قیود میں مقید کرنا یہ سب کچھ مقتضائے زندگی کے خلاف اور اس وحدہ لاشریک لہ کی معصیت میں داخل ہوگا!

"دوسری وجہ یہ ہے کہ ہر شخص جانتا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ذی اقتدار بادشاہ کی مدح کرتے ہوئے اس کی تمام صفات واخلاق واطوار نشست وبرخاست کے تمام رازوں کا ذکر کرے اور اس کے پوشیدہ بھیدوں کا افشار کرے تو بجائے اس کے کہ اس کو مدح پر انعام دیا جائے وہ زجر وتوبیخ کا مستحق قرار پائے گا اور بادشاہ اس کو کہے گا کہ تمہیں کیا حق ہے کہ بادشاہوں کے شخصی امور اور خانگی معاملات کے افشار کے درپے ہو گئے؟ تم ایک ادنیٰ اور ذلیل حیثیت کے آدمی ہو کر بادشاہوں کے آگے اس قدر بے حیائی اور بے شرمی کے ساتھ پیش آنے کی جرأت کرتے ہو! تمہاری یہ سزا ہے کہ تمہارا سر فوراً اُڑا دیا جائے!! تو جب دنیوی بادشاہوں کا یہ حال ہے کہ اگر معمولی آدمی ان کی مدح کرے تو وہ اس کو عار سمجھتے ہیں تو اس بادشاہوں کے بادشاہ ذوالجلال والاکرام کا یہ وصف کیوں کر نہ ہوگا؟ کیونکہ جو شخص اس کی معرفت کا درپے ہوتا ہے وہ اس کی صفات وافعال اور اس کی خصوصیات کا کھوج لگاتا ہے اور اس کی حکمتوں اور بھیدوں کے ہر پہلو پر محققانہ نگاہ ڈالنا چاہتا ہے! ظاہر ہے کہ ہر شخص کا یہ منصب نہیں! تو پھر اس کی معرفت کا اصل معیار کیا قرار دیا جائے اس سے صاف ظاہر ہے کہ طاعت ومعرفت کا وجوب بجز شریعت کے اور کسی چیز سے ثابت نہیں

کوئی فائدہ نظر نہیں آتا! اور اگر یہ فائدہ آخرت میں مانا جائے تو ہم پوچھتے ہیں کہ آپ کو اس کی اطلاع کیسے ہوئی کہ اعمالِ صالحہ سے ضرور بہشت ملے گی اور اس کے لذائذ ونعم بھی؟ کیونکہ صورت مفروضہ میں نہ کوئی شریعت ہے اور نہ نبی جس کی زبانی ہمیں اس بات کا علم ہوا ہو!

اگر عقل کے طرف سے یہ جواب دہی کی جائے کہ ہر شخص کا یقین ہوتا ہے کہ میرا پیدا کرنے والا ہے اور اس کے حقوق میرے ذمہ ہیں، اگر میں ان کو ادا کروں گا اور اس کی نعمتوں کا شکر ادا کروں گا تو وہ مجھے مراتبِ عالیہ عطا کرے گا اور اگر ناشکری کروں گا تو عذاب دے گا، غرض کوئی بھی اس بات کا قائل نہیں نظر آتا کہ اطاعت پر عذاب اور نافرماں برداری اور معصیت پر ثواب ملنے کا احتمال ہے تو پہلا جواب یہ ہے کہ یہ اس عقل کا تو فیصلہ نہیں ہو سکتا جو مادہ ہو اور نفس زا اس پر سوار ہو، وہ تو عذاب و ثواب کی گفتگو کو قطعاً ترک کر کے اسی دنیا میں لذت نفس کے حصول اور مضرت و آلام کے دفع کرنے میں لگ جائے گا! کیونکہ اس عقل کا مقصود بالذات دنیا ہے، اس کی آسائش و زیبائش ہے، لذت و آرام ہے یہ لذت کی طالب ہے اور لذت و نفع ہی اس کی اعلیٰ ترین غایت ہے! اس کی عمر کوے کی طرح "سرگین خوری" میں بسر ہوتی ہے!

وائے آں کہ عقل او مادہ بود — نفس زشتش نزد آمادہ بود!
لا جرم مغلوب باشد فعل او — جز سوئے خسراں نباشد نقل او!
اے خنک آنکس کہ عقلش نر بود — نفس زشتش مادہ و مضطر بود!

اب وہ چیز کونسی ہے جو نفس کو اطاعت الٰہی پر مجبور کرتی ہے اور عقل پر یہ بات کھول دیتی ہے کہ اطاعت و شکر گذاری سے خدائے تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور اس کے معاوضہ میں دنیا میں طمانیت اور آخرت میں راحت نصیب ہوتی ہے؟ خصوصاً جب عقل یہ بات صاف طور پر محسوس کرتی ہے کہ اطاعت و عدم اطاعت، شکر و عدم شکر حق تعالیٰ کی بارگاہ میں دونوں مساوی ہیں نہ اُن کو شکر پر خوشی حاصل ہوتی ہے اور نہ عدم شکر پر رنج! یہ تو انسان کا خاصہ ہے کہ وہ اپنی تعریف پر خوش ہوتا ہے اور مذمت یا ہجو سے اس کے دل پر چوٹ لگتی ہے!

آدمی فربہ شود از راہ گوش — جانور فربہ شود از راہ نوش